فارسی شاعری میں اقبال کی خطابت

نیر مسعود

سر عبدالقادر کے بیان کے مطابق ولایت میں قیام کے دوران اقبال کو اپنی فارسی گوئی کی قوت کا اندازہ ہوا اور اس کے بعد سے ان کی طبیعت کا میلان اردو سے زیادہ فارسی شاعری کی طرف ہو گیا ۔ چنانچہ اقبال کا پہلا اردو مجموعہ کلام " بانگ درا " تیار ہونے سے پہلے فارسی نظم میں ان کی تین کتابیں " اسرار خودی " " رموز بے خودی " اور " پیام مشرق " تیار ہو چکی تھیں ۔

اردو شاعری کی نسبت فارسی شاعری کی طرف زیادہ متوجہ ہونے میں اقبال کے پیش نظر خاص طور پر یہ مقصد تھا کہ وہ فارسی کے ذریعے اپنی بات زیادہ لوگوں تک پہنچائیں اور اپنے مخاطبین کا حلقہ وسیع تر کریں ۔ اپنی شاعری کا مقصد خود اقبال نے افراد و اقوام کی باطنی تربیت کرنا بتایا ہے ۔ اس تربیت کے ذریعے وہ مشرق کو ، جو سویا ہوا تھا اور مزید سلایا جا رہا تھا ، بیدار کرنا چاہتے تھے ۔ ان کا عقیدہ قرآن مجید کے اس قول پر تھا کہ خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت میں تغیر پیدا نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود بھی اپنے میں تغیر پیدا نہ کرے ۔ اقبال اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں میں یہی تغیر پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ بہ الفاظ دیگر وہ اپنی شاعری ، خصوصاً فارسی شاعری کو ایک زبردست انقلاب کا محرک بنانا چاہتے تھے ۔ اقبال کی شاعری کے یہ پس منظر کے محرکات خطیبانہ کلام کا تقاضا کرتے ہیں اور خطیبانہ کلام برہنہ گفتاری کا تقاضا کرتا ہے ۔ لیکن برہنہ گفتاری اقبال کے شعری مزاج کے موافق نہ تھی ۔ اس طرح وہ ایک کشمکش سے دوچار ہوئے جس کا اظہار انھوں نے اس شعر میں کیا ہے ۔

وقت برہنہ گفتن است من بکنایہ گفتہ ام
خود تو بگو کجا برم ہمنفسانِ خام را

اور اپنے اس شعری رویے کا جواز یوں فراہم کیا ہے :

برہنہ حرف نگفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز برمز و ایما نیست [۲]

اقبال کی فارسی شاعری میں خطابت کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے یہ دونوں شعر کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ، اور آگے چل کر ہماری گفتگو میں ان کا حوالہ آئے گا ۔

تلقین ، تبلیغ اور تحریک خطابت کے اہم عناصر ہیں ۔ اقبال کے یہاں ان عناصر کی فراوانی ہے اس لیے ان کے کلام میں خطیبانہ آہنگ فوراً محسوس ہو جاتا ہے ۔ یہ آہنگ اقبال کے یہاں صیغہ امر کے حامل کلام میں زیادہ محسوس ہوتا ہے ، مثلاً یہ غزلیں :

از همه کن کناره گیر صحبت آشنا طلب
هم ز خدا خودی طلب هم ز خودی خدا طلب [۳]

چو موج مست خودی باش و سرِ بطوفان کش
ترا کہ گفت کہ بنشین و پا بداماں کش [۴]

بانشه درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن [۵]

کشادہ رو ز خوش و ناخوش زمانہ گذر
ز گلشن و قفس و دام و آشیانہ گذر

یا یہ قطعات :

بروں از ورطہ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہان کیف و کم شو

خودی تعمیر کن در پیکر خویش
چو ابراہیم معمار حرم شو [7]

☆

ہمائے علم تا افتد بدامت
یقین کم کن ، گرفتار شکے باش
عمل خواہی ؟ یقین را پختہ تر کن
یکے جوے و یکے بین و یکے باش [8]

☆

بمنزل کوش مانند مہ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو [9]

☆

بجام نو کہن مے از سبو ریز
فروغ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخ منصور
بدل " لا غالب الا اللہ " فرو ریز [10]

☆

تو اے ناداں دل آگاہ دریاب
بخود مثل نیاگاں راہ دریاب
چساں مومن کند پوشیدہ را فاش

ز لا موجود الا اللہ دریاب "

☆

اقبال کے یہاں صیغہ امر کے حامل کلام کا خطیبانہ آہنگ ان کی دو نظموں " دگر آموز" اور " از خواب گراں خیز " میں اپنی معراج پر ملتا ہے ۔ کلام اقبال میں خطابت پر گفتگو کرنے کے لیے ان نظموں کے مندرجہ ذیل بند نظر میں رکھنا ضروری ہیں :

مانند صبا خیرو وزیدن دگر آموز
دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز
اندر دلک غنچہ خزیدن دگر آموز!
دم چیست ؟ پیام است ، شنیدی نشنیدی !
در خاک تو یک جلوہ عام است ، ندیدی!
دیدن دگر آموز ، شنیدن دگر آموز !
ما چشم عقاب و دل شہباز نداریم
چوں مرغ سرا لذت پرواز نداریم
اے مرغ سرا ، خیرو پریدن دگر آموز !
وا سوختہ ئی ، یک شرر از داغ جگر گیر
یک چند بخود پیچ و نیستان ہمہ۔ در گیر
چوں شعلہ بخاشاک دویدن دگر آموز !"[۳]

ای غنچہ ء خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانہ ما رفت بتاراج غماں خیز
از نالہ ء مرغ چمن از بانگ اذاں خیز
از گرمی ہنگامہ آتش نفساں خیز
از خواب گراں،خواب گراں ،از خواب گراں از خیز

خواب گیراں خیز !
خاور ہمہ مانند غبار سر راہے است
یک نالہ ء خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرہ این خاک گرہ خوردہ نگاہے است
از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز
از خواب گراں ، خواب گراں ، خواب گراں خیز از
خواب گراں خیز !
ناموس ازل را تو امینی ، تو امینی
دارای جہاں را تو یسا ، تو یمینی
ای بندہ خاکی تو زمانی ، تو زمینی
صہبائی یقین در کش و از دیر گماں خیز
از خواب گراں ، خواب گراں ، خواب گراں خیز از
خواب گراں خیز !
فریاد ز افرنگ و دل آویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی ، و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم ! باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں ، خواب گراں ، خواب گراں خیز ،
از خواب گراں خیز ! [۳]

ان مثالوں میں اقبال کے مخصوص لہجے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کسی فرد یا جماعت کو مخاطب کر کے کسی مخصوص راستے پر لگانے کی کوشش کر رہا ہے ۔ یہ خاص خطیبانہ آہنگ ہے اور اس شاعرانہ خود کلامی کی ضد ہے جس کی عمدہ مثالیں بھی ہمیں اقبال ہی کے یہاں مل جاتی ہیں ۔

اردو ۔ فارسی کی بیشتر قریب العہد شاعری میں خطابت کا عنصر شعر کی لطافت اور دیرپا تاثر کو مجروح کرنے والے عناصر کی صف میں نظر آتا ہے ۔ دیرپا تخصیص اس لیے ہے ۔ اپنی معاصر صورت حال میں فوری اور عارضی طور پر ہی سہی خطیبانہ شاعری سب سے زیادہ موثر نظر آتی ہے

۔ خواجہ حالی اور جوش ملیح آبادی کی نظمیں ، ترقی پسند شاعروں کا بہت سا کلام ، ایران میں قاچاری دور کے آزادی خواہ شاعروں کی انقلابی شاعری اپنے اپنے وقت کے ادبی افق پر چھا گئی تھی ۔ لیکن یہ شاعری اپنی معاصر بدیہی صورت حال پر قائم تھی ۔ اس صورت حال کے بدلنے کے ساتھ یہ شاعری لڑکھڑانے لگی اور آخر بے اثر اور بے جان ہو کر بعد کے قاریوں کے لیے حیرت کا سبب بنی کہ کبھی اس قسم کی شاعری بھی مقبول تھی ، اور اسی خطیبانہ عنصر کی وجہ سے مقبول تھی جو آج ہمیں شعریت کا قاتل نظر آ رہا ہے ۔ اس طرح ہمارا عقیدہ سا بن گیا کہ خطابت شعریت کے منافی ہے ۔ لیکن اس عقیدے میں اقبال کو ہمیشہ استثنا کی حیثیت حاصل رہی ۔ ان کی خطیبانہ شاعری اپنی تخلیق کے زمانے میں جتنی موثر تھی ، آج بھی اتنی ہی ، بلکہ زیادہ موثر ہے ۔ اقبال کا یہ استثنا ایک طرف اس عقیدے کو متزلزل کر دیتا ہے کہ خطابت شعریت کے منافی ہے ، دوسری طرف ہمیں تاثیر کی دو نوعیتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے ۔ ایک تو وہ نوعیت ہے جو حالی ، جوش ، ترقی پسندوں ، ایران کے آزادی خواہوں اور اقبال کے یہاں مشترک ہے ، یعنی ان سب کا کلام معاصر صورت حال کا آوردہ تھا اور اس نے اپنے مخاطبوں میں زندگی کی ایک لہر دوڑا دی تھی ۔ تاثر کی دوسری نوعیت وہ ہے جس میں اقبال کو استثنائی حیثیت حاصل ہے ، یعنی معاصر صورت حال کے بدل جانے کے باوجود ان کا خطیبانہ کلام اسی مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا اور ہر بدلی ہوئی صورت حال میں اپنے پڑھنے والوں کو متاثر کرتا رہا ہے اور ان متاثر ہونے والوں میں مشرق و مغرب کے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اقبال کی اس شاعری کے مخاطب حقیقی نہیں تھے بلکہ یہ شاعری ان کے مفاد اور منشا کے خلاف تھی ۔ ایسے لوگوں کا ایسی خطابت سے متاثر ہونا ، ظاہر ہے اس کے موضوعات کے سبب اتنا نہیں ہے جتنا اس کے شعری اظہار کی وجہ سے ہے یہاں پھر اقبال کے وہ دونوں شعر سامنے آتے ہیں جنھیں اس گفتگو کے آغاز میں ہم نے کلیدی حیثیت دی تھی ۔ ان شعروں پر بات کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اقبال کے خطیبانہ کلام کے جو نمونے ہم نے پیش کیے ہیں ان میں خطابت کے تینوں اہم عناصر تلقین، تبلیغ اور تحریک کی کیا کیفیت ہے ۔ اقبال کہہ رہے ہیں :

فارسی شاعری میں اقبال کی خطابت

سب سے کنارہ کش ہو کر آشنا کی طلب کر، خدا سے خودی اور خودی سے خدا کی طلب کر

موج کی طرح مست خودی رہ

پختہ ہو کر خود کو جمشید کی سلطنت پر دے مار

دنیا کے بھلے برے کو ہنسی خوشی جھیل جا، گلشن، قفس، دام، آشیانے کا خیال چھوڑ دے

ہستی اور نیستی کے بھنور سے باہر نکل ۔ اس جہان کیف و کم سے زیادہ ہو جا، اپنے پیکر میں خودی کی تعمیر کر اور ابراہیم کی طرح معمار حرم بن جا ۔

اگر تو چاہتا ہے کہ علم کا ہما تیرے دام میں آجائے تو یقین کو چھوڑ اور شک میں گرفتار ہو جا، لیکن اگر تو عمل چاہتا ہے تو ایک ہی کو ڈھونڈھ، ایک ہی کو دیکھ اور ایک ہی کا ہو جا ۔

ماہ نو کی طرح منزل کی طرف بڑھ، اس نیلگوں فضا میں ہر دم زیادہ ہوتا جا ۔ اگر دیر میں اپنا مقام چاہتا ہے تو حق سے دل لگا اور مصطفیٰ کی راہ پر چل ۔

نئے جام میں پرانی شراب بھر اور کاخ و کو پر اپنا عکس ڈال ۔ اگر تجھے شاخ منصور کا ثمر مطلوب ہے تو اپنے دل پر " لا غالب الا اللہ " نازل کر ۔

اے ناداں، دل آگاہ حاصل کر اپنے اسلاف کی طرح خود تک پہنچنے کی راہ نکال ۔ مومن پوشیدہ کو کیونکر ظاہر کرتا ہے، یہ بات " لا موجود الا اللہ سے معلوم کر

صبا کی طرح اٹھ اور چلنا بھی سیکھ ۔ لالہ و گل کا دامن کھینچنا سیکھ ۔ غنچے کے دل میں اترنا سیکھ ۔

سائنس کیا ہے ، ایک پیام ہے تو نے سنا ، یا نہیں سنا ؟ تیری خاک میں ایک جلوہ عام ہے ، کیا تو نے نہیں دیکھا ؟ دیکھنا بھی سیکھ اور سننا بھی سیکھ ۔

ہمارے پاس عقاب کی آنکھ اور شہباز کا دل نہیں ہے ۔ ہم مرغ سرا کی طرح لذت پرواز سے محروم ہیں ۔ اے مرغ سرا ، اٹھ اور پھر سے اڑنا سیکھ

تو جل بجھا ہے ۔ اپنے داغ جگر سے ایک چنگاری لے ، کچھ دیر اپنے اندر چکر لگا اور سارے نیستاں کو اپنی لپیٹ میں لے لے ۔ شعلے کی طرح خاشاک میں دوڑ جانا بھی سیکھ وغیرہ

اس نثری ترجمانی میں ہم نے خاصی بے دردی کے ساتھ کلام اقبال کی شعریت کا خون کیا ہے ۔ اس کے باوجود اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کلام میں خطابت پر شاعری حاوی ہے ۔ لہجے میں خطیبانہ بلند آہنگی ضرور ہے لیکن اقبال اپنے مخاطبین پر اپنا مدعا اور دو چار کی طرح واضح کرنے کے بجائے اشاروں میں بات کرتے ہیں ، پھر خود ہی افسوس بھی کرتے ہیں کہ میں نے برہنہ گوئی کے محل پر کنایوں میں گفتگو کی ہے ، اور اسی بنا پر مایوس سے ہیں کہ میرے مخاطبین وہ راہ نہیں چل سکیں گے جس پر میں ان کو چلانا چاہتا ہوں ۔ لیکن اس کے باوجود وہ رمز و ایما کا دامن چھوڑنے اور کمال گویائی سے دست بردار ہونے پر راضی نہیں ہیں ۔

حالی نے اصلاح کے مقصد پر اپنی شاعری کے فنی محاسن کو قربان کر دیا تھا ۔ اقبال کا رویہ اس کے برعکس نظر آتا ہے ، لیکن ان کے بارے میں محض سخن پروری کا گمان قرین انصاف نہ ہو گا ۔ کلام اقبال اور اس کے مسلسل فروغ کے بغور مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اقبال کے پیش نظر صرف زمانہ حال کے موجود مخاطبین نہیں تھے ۔ ان کی تصور میں زمان و مکان کا ایک بسیط میدان تھا اور اس میدان میں اپنی آواز کی گونج باقی رکھنے کے لیے انھوں نے خطابت کا جو بالواسطہ پیرایہ اختیار کیا ، وہ مناسب ترین ثابت ہوا ۔ اسی پیرائے کی بدولت اقبال ہم کو حال اور

مستقبل دونوں کے شاعر محسوس ہوتے ہیں ۔ اور اسی بدولت عام خطیبانہ شاعری کا ایک ستم ظریفانہ پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے ۔ اردو ۔ فارسی کی بیشتر خطیبانہ شاعری میں ہم دیکھتے ہیں کہ معاصر صورت حال کے بدل جانے کے بعد یہ شاعری غیر موثر ہو جاتی ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اپنے خارجی سیاق و سباق سے ہٹ کر یہ شاعری برہنہ گوئی کے باوجود ، بلکہ اسی کی وجہ سے ، ایک حد تک ناقابل فہم بھی ہو جاتی ہے ، اس لیے کہ اس کے سیاق و سباق سے ناواقفیت کے باعث ہماری سمجھ میں ٹھیک سے نہیں آتا کہ شاعر کس مخصوص صورت حال کی بات کر رہا ہے ۔ اس کے برعکس اقبال کی شاعرانہ خطابت اپنے پیرائے کی بدولت وقت کی اکائیوں میں آگے کی طرف سفر کرتی رہتی ہے ، ایک صورت حال سے نکل کر دوسری صورت حال میں پیوست ہو جاتی ہے اور ہر زمانے میں اپنا سیاق و سباق خود پیدا کر لیتی ہے ۔

حواشی

۱ ۔ کلیات اقبال (فارسی) اشاعت پنجم مئی ۱۹۸۵ ء , شیخ غلام ع
اینڈ سنز , لاہور ص ۴۴۷

۲ ۔ ایضاً ص ۳۳۰

۳ ۔ ایضاً ص ۵۰۷

۴ ۔ ایضاً ص ۴۶۴

۵ ۔ ایضاً ص ۷۵۵

۶ ۔ ایضاً ص ۴۹۰

۷ ۔ ایضاً ص ۲۰۵

۸ ۔ ایضاً ص ۲۱۱

۹ ۔ ایضاً ص ۹۴۷

۱۰ ۔ ایضاً ص ۹۰۵

۱۱ ۔ ایضاً ص ۹۵۱

۱۲ ۔ ایضاً ص ۴۷۱ ۔ ۴۷۲

۱۳ ۔ ایضاً ص ۴۷۳ ۔ ۴۷۵